© rasailojaraid.com

بیادِ رفتگان

پھر اک ساتھی چھوٹ گیا!

روزانہ نمازوں میں میل جول ہوتا، ایک مرتبہ بات چیت ہوتی، بس دو چار دن کچھ ناگہانی مصروفیات میرے سر پڑیں، جسمانی توانائی کم ہو گئی اور میرا دائرہ معمولات ٹوٹ گیا۔ تب یکایک آواز بلند ہوا کہ مولانا عاصم ان فتنوں بھری دنیا میں علمی لڑائی لڑتے لڑتے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

اتنا اچانک، اتنا چپکے چپکے! — ہمیں تو شدتِ مرض کے آخری مختصر سے دور کا پتہ بھی نہ چلا۔ ایک دن وہ وقت کے میدان میں داخل ہوا اور عمر کے لحاظ سے اگلی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا — افق سے بھی آگے!

سچ ہے کہ کتنے پیچھے والے ہوں گے جو آگے کر دیئے جائیں گے اور کتنے آگے والوں کو پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

غم اتنا ہی نہیں کہ ایک بھائی اور دوست ہم سے جدا ہوا، بلکہ زیادہ بڑا صدمہ یہ ہے کہ ایک بھاری بھرکم عالم دین ہماری بستی، ہمارے ملک اور دنیائے انسانیت سے چلا گیا۔ ایسا عالم جو القاب و آداب اور جبہ و دستار سے بے نیاز ایک عام آدمی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ مگر اس کے قلم نے سفرِ حیات میں ایسے سنگ ہائے میل نصب کیے تھے کہ جن کو دیکھ کر ہم جیسے عامی تو مبہوت رہ جاتے ہیں۔

پیدائش ۴ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مالیر کوٹلہ میں ہوئی۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا عبدالغفار حسن سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ انہی سے حدیث کا خاص ذوق بھی لیا اور جماعتِ اسلامی کا تعارف بھی حاصل کیا۔ بعد ازاں دارالعروبہ میں مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دارالعروبہ کی روح رواں بن گئے اور ندوی صاحب کے انتہائی معتمد۔

۱۹۴۸ء میں مولانا مسعود علیہ الرحمۃ کے ساتھ پاکستان آئے۔ ۱۹۴۹ء میں مولانا کے ساتھ عرب ممالک کے دورہ کے لیے گئے۔ اسی سفر کی روداد "دیارِ عرب میں چند ماہ" ہے۔ عربی گرامر کی ایک کتاب بالترجمۃ العربیہ لکھی۔ پھر جب مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن کے لیے تفسیری مسائل کو سمجھنے کے مقصد سے مقاماتِ مقدسہ اور قدیم تاریخی آثار کا مشاہدہ کرنے کے لیے لمبے سفر پہ نکلے تو محمد عاصم الحداد ہم سفر تھے۔ اس سفر کے تیسرے ساتھی چوہدری غلام محمد بنے۔ اس سفر کی داستان عاصم صاحب نے "سفرنامہ ارض القرآن" کے نام سے لکھی۔ مولانا مسعود عالمؒ ندوی کو جو خطوط سید سلیمان ندویؒ کی طرف سے آتے رہے، ان کا مجموعہ نقوشِ سلیمانی کے نام سے مرتب کیا۔ اخوان کے مشہور لیڈر محمود الصواف نے ان کی خدمات رابطہ عالم اسلامی کے لیے حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلیں۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۶ء تک وہاں رہے۔

اس دوران میں بے شمار عربی خطوط لکھنے کے علاوہ ندوی صاحب نے اور دیگر تحریکی مضامین کے عربی تراجم کیے الجہاد فی الاسلام کا ترجمہ کیا۔ فقہ السنۃ کے دو حصے لکھے۔ اب سُنت کیا ہے اور کیا نہیں ہے" کے ساتھ اصولِ فقہ لکھی۔ اور اپنے اونچے ارادوں کی اڑان کے ساتھ ۱۱ اپریل کو پرواز کر گئے۔ خدا کی رحمت و مغفرت ہو۔

چراغ جو سحر ہو گیا

ابھی ایک صدمے کی چوٹ کھائے ہوئے دلِ لخت لخت کو سمیٹ نہ پائے تھے کہ صرف دس دن کے وقفے سے مولانا محمد چراغ صدر مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ نے مورخہ ۲۱ اپریل کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔

وہ چراغ تھے اور ہزاروں چراغ روشن کر کے جب گُل ہوئے تو سحر بن گئے۔

پیدائش ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ (مطابق ۱۸۹۹ء) موضع ڈھکر ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ موضع کنجاہ ضلع گجرات میں ۳ سال تک صرف نحو اور منطق کی پڑھائی کی۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم میں فقہ اور عربی علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ولی اللہ (انکھی شریف) سے فیض پایا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے اکتسابِ علم کیا۔

فراغت کے بعد میرٹھ، اچھرو (جامعہ فتحیہ)، علی پور سیداں (مدرسہ پیر جماعت علی شاہ) اور گوجرانوالہ (مدرسہ انوار العلوم) میں معلمانہ خدمات انجام دیں۔ پھر جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی اور ۶۴ سال کی تدریسی خدمات سے ہزاروں طلبہ کو فیض پہنچایا۔ جن میں سے آج متعدد حضرات صاحبِ مقام ہیں۔ قادیانیت اور عیسائیت کے رد میں بہت کام کیا۔ تحریکِ خلافت، جمعیت علمائے ہند، مجلس احرار اور تبلیغی جماعت میں حصہ لیا۔ پھر جب جماعت اسلامی سے تعارف ہوا تو "یک در گیر و محکم گیر" کے مصداق پورے شرح صدر کے ساتھ مولانا مودودیؒ کی برپا کردہ تحریک احیائے اسلامی میں اپنی خدمات صرف کر دیں۔ ایک بار تحریکِ کشمیر کے سلسلے میں اور بعد ازاں مختلف استبدادی احکام کے تحت جیل کاٹی۔

مولانا محمد چراغ کی خوبی یہ تھی کہ وہ مولانا مودودیؒ سے اختلاف کرتے اور گفتگو یا خطوط کے ذریعے تبادلۂ خیال کرتے اور مولانا بھی ان کا حد سے زیادہ احترام ملحوظ رکھتے اور ان کے علم سے (باقی برصفحہ آخر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

دُنیا کی سرگرمیوں کا بڑھ جانا، تفکرِ حالات و مسائل کا ہجوم کر دینا، تکاثر و تفاخر کی کشمکش کا شدت اختیار کر جانا اور سیاسی اُتار چڑھاؤ کا ذہنوں کو زیر و زبر کر دینا، بعض اوقات ہمیں اُس مدرسۂ ہدایت سے دُور کر دیتا ہے جس کا نصاب قرآن ہے اور اس کی وضاحت و شرح حدیثِ رسول سے ہوتی ہے۔ حالانکہ اس مدرسۂ ہدایت کی حاضری روزانہ ہونی چاہیے۔ اور دُنیا کے سارے جھاڑ جھنکار سے دل و دماغ کو آزاد کر کے کسی سبق کے ایک ایک نکتے پر غور کرنا چاہیے۔

لادینیت کے چڑھتے ہوئے طوفانوں میں ہماری کشتیٔ نجات آیات و احادیث ہی کے بادبانوں سے چلتی ہے۔

ایک روایت جو متفق علیہ ہے، ابوسفیان صخر بن حرب (رضی اللہ عنہ) کے ایک قول کو ہمارے سامنے لاتی ہے۔ یہ قصۂ ہرقل کے متعلق ایک لمبی روایت میں مذکور ہے — ہرقل ابوسفیان سے پوچھتا ہے کہ وہ شخص (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے کیا کہتا ہے۔

جواب میں ابوسفیانؓ نے کہا (وہ کہتا ہے کہ) "اُعْبُدُوا اللّٰہَ وَحْدَہٗ، لَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، وَ اُتْرُکُوْا مَا یَقُوْلُ اٰبَآءُکُمْ، وَیَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوۃِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَۃِ"[1] (ریاض الصالحین، روایت نمبر ۵۶)۔

---

[1] اِس لحاظ سے یہ جواب حیرت ناک ہے کہ ابوسفیان نے یہ الفاظ (باقی بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی عبارت کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو واحد جان کر اس کی عبادت کرو، کسی شے کو اس کے ساتھ (خدائی اور معبودیت میں) شریک نہ ٹھیراؤ اور جو کچھ (غلط باتیں) تمھارے باپ دادا کہتے تھے ان کو چھوڑ دو، اور پھر وہ ہم کو تلقین کرتا ہے نماز کی، صدق کی، عفت مآبی کی اور (آپس کے) قرابتی رابطے جوڑنے کی۔

پہلی تلقین یہ ہے کہ خدائے واحد (لاشریک) کی عبادت کرو۔ عبادت کے جامع معنی غلامی کے ہیں۔ سرافگندگی اور عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اطاعتِ احکام کرنے کے ہیں۔ عبادت ایک مستقل رویہ ہے جو نماز روزے سے لے کر زندگی کے ہر گوشے اور معاملے میں کارفرما ہو۔ کچھ لوگ عبادتِ نفس کرتے ہیں، خواہشات کی غلامی کرتے ہیں، کسی بُت یا قبر یا شخص یا استھان یا ادارے یا اہلِ اقتدار کے لیے عبادت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ خدا کی عبادت کی صورت کا کمال یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کی کوئی بات زندگی میں گھسنے کا راستہ نہ پا سکے۔ بہت سی نمازیں پڑھ لینے اور بہت سی تسبیحوں کا ورد کر لینے کے بعد آدمی اگر کھانے، کمانے، پہناوے، غریبوں اور کمزوروں پر زیادتی کرنے، ناجائز طریقوں سے دولت سمیٹنے، دوسروں سے بالجبر اپنے مطالبات منوانے میں لگا رہے تو اُس کی زندگی خدا کی عبادت کی زندگی نہیں ہے۔ آدمی کی پسند و ناپسند، اس کی زبان پہ آنے والے الفاظ، اس کے آداب، اس کا لباس، اس کا کھان پان، اس کی آنکھوں کی گردشیں، اُس کی نگاہوں کے بَل، اُس کے پیمانہ ہائے خیر و شر، اُس کی دوستیاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

(اور مزید بیان) اس وقت کہے جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے، لیکن مخالفت کے باوجود غلط بیانی کر کے کسی جذبے کی تسکین نہیں حاصل کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دشمنیاں، اس کا ہنسنا اور رونا، اس کے آویزاں کردہ قطعات، اس کا سامانِ آرائش، اس کا اسبابِ بود و ماند، اس کی تفریحات وغیرہ یہ سب گواہیاں ہیں اس بات کی کہ وہ ربِ واحد کی عبادت کرتا ہے یا کسی طاغوت کی یا اپنے نفس کی۔

پس عبادت کا پورا مفہوم اور اس کے تقاضے سمجھتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور زندگی کا سارا رویّہ خاص اس کے لیے غلامانہ اور عاجزانہ رویّہ ہو۔ اور اس کے کلام اور احکام کو سمجھنے اور ان پر بحث کرنے میں اس کی بارگاہِ عالی کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں۔

شرک کا معاملہ بھی بڑا پیچیدہ اور نازک ہے۔ شرک جہاں واحد سبب ہے رحمت و غفرانِ الٰہی سے قطعی محرومی کا، وہاں ریا اور دوسروں سے دادطلبی کے جذبے کا خدا کی خوشنودی پر غالب آجانا وغیرہ امورِ شرک ہی داخل ہیں، بلکہ احادیث کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گناہ کو غذا پہنچانے والی باریک سی جڑ شرک ہی کی ہوتی ہے۔

بسا اوقات آدمی بڑا کٹر موحّد ہوتا ہے مگر نادانستہ طور پر اس کی انا جامۂ حفظِ شریعت اوڑھ کر خود حریمِ توحید میں داخل ہو جاتی ہے اور بڑی بڑی انتہاپسندیاں اور شدتیں اپنی طرف سے گھڑ کر خدا کے کھاتے میں ڈال دیتی ہے۔ توحید کی رُو سے خدا نے جسے حلال کیا وہ حلال اور جسے حرام کیا وہ حرام، اور اسی طرح جس چیز کو زیادہ اہمیت دی وہ زیادہ اہم اور جسے کم اہمیت دی وہ کم اہم۔ اب جس طرح حرام حلال کو بدلنا ناجائز ہے اسی طرح زیادہ اہم چیزوں کو کم اہم بنانا اور کم اہم چیزوں کو زیادہ اہمیت دینا بھی خدائی اختیارات میں ایسا تصرف ہے جسے شرک کی تعریف میں رکھا جاسکتا ہے۔ عبادت و ذکر کے جن طریقوں کو اس نے پسند فرمایا اور لازم کیا یا اُن کی ترغیب دلائی، ان کو ثانوی مقام پر چھوڑ کر عبادت و ذکر کی نئی شکلوں کو واجب یا پسندیدہ تر یا خدارسی اور سکونِ قلب کا ذریعہ قرار دینا خدائی شریعت میں مداخلت ہے۔ خاص طور سے کسی ایسے ذکر یا رسم یا تقریب کو خدا کے دین کے زیرِعنوان لازم قرار دینا یا عملاً لوگوں کو اُس کا اس طرح پابند اور خوگر بنا دینا ہے کہ انہیں اس کے ترک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گناہ محسوس ہو اور ترک کرنے والے کو ملامت کی جانے لگے تو یہ سب شرک کی اقسام ہیں۔

ایسے مذہبی اور زاہدانہ اور عالمانہ وفقیہانہ شرک تو رہے ایک طرف، خود، ہم میں سے ہر شخص اپنے جی کے اندر، اپنے اہل خانہ میں، اپنے خاندان میں، اپنی سیاست کاری میں، اپنی کشمکش مفاد میں ایسے بُت بنا رکھتا ہے جن کی رضا اور جن کے مطالبے کو، نیز جن کے خوف کو وہ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوف سے زیادہ مؤثر سمجھتا ہے۔ اور کسی غیر الٰہی نظامِ حکومت کو خدائی نظام کی مانند جائز قرار دینا اور اس کی تبدیلی کی جدوجہد کو ترک کر دینا یہ بھی شرک ہی کا ایک حملہ ہے۔ ایسے نظریات اور عقیدوں اور تحریکوں اور علمی بحثوں اور ثقافتی مشغلوں کو پسند کرنا جن کی اجازت وسند اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل نہ ہو، سب شرک ہے۔

پس شرک ایک ایسی شیطانی بیل ہے جو پہلے ایک ذراسی کونپل نکال کر چھوٹے چھوٹے نظر فریب پھول کھلاتے ہوئے بڑھتی ہے اور اچھے بھلے درختِ توحید سے لپٹتی جاتی ہے اور اگر بڑھنے کا موقع پالے تو اس طرح چھا جاتی ہے کہ اصل درخت کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ کوئی پتا رہتا ہے نہ پھول اور نہ پھل کبھی نمودار ہوتا ہے۔ درختِ توحید کا رس تو شرک کی بیل چوس لیتی ہے، ہاں اگر مالی ذمہ شعور اور باہمت ہو تو وہ اپنے درختِ توحید کے پاس کسی غیر ضروری روئیدگی کو سر اٹھانے ہی نہ دے۔

نزاکتِ معاملہ کی آخری حد کو حضرت ابن عباس نے یہ کہہ کر چھو لیا کہ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو "ندّ" بنا دینا ایسے غیر محسوس طریق سے ہوتا ہے، جیسے کسی تاریک رات میں سیاہ رنگ کی کسی چٹان پر کوئی چیونٹی رینگ رہی ہو۔[۲]

اس خطرے کو سمجھیے، اس سے آگاہ رہیے اور اس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے

---

[۱] وَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ

[۲] اَلْاَنْدَادُ ھُوَ الشِّرْکُ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلٰی صَفَاۃٍ سَوْدَاءَ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ ۔ اثر حضرت ابن عباسؓ (ابن ابی حاتم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنتری کی طرح ہوشیار رہیے۔ پل بھر کی غفلت میں دو جہان کا یہ خزانہ لٹ سکتا ہے۔[1]
اِسی سلسلے میں وضاحتی جملہ یہ ہے کہ وہ غلط تصوّرات چھوڑ دو جو تمہیں آباو اجداد سے پہنچے ہیں۔ یعنی شرک کی اعتقادی اور عملی صورتیں اور اِس سلسلے کی عبادات و رسوم وغیرہ۔

اب آگے ابوسفیانؓ بتاتے ہیں کہ بنیادی تلقینِ توحید اور تاکیدِ ترکِ شرک کے بعد آپؐ چار باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔
سب سے پہلے نماز کا ادا کرنا ہے۔ (وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ)، کیوں کہ ایمان بالتوحید پر کھڑی ہونے والی زندگی کی پہلی اینٹ نماز ہے۔ نماز سے پھر آگے ایک ایک سلسلۂ عبادات مربوط ہے۔ ایک نظامِ اجتماعیت اس سے ظہور پاتا ہے اور ایک طرزِ اخلاق نمو پذیر ہوتا ہے۔ ایسی ہی جاندار نماز کی تعریف ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ اور ایسی ہی نماز معراج المومنین ہے۔
اِس موحدانہ نماز سے جو نظامِ عبادات اور جو اجتماعیت مربوط ہے، اس کی تفاصیل چونکہ مکّی دَور میں کھل کر نہیں آئی تھیں اور جو اشارات ملتے تھے وہ جناب ابوسفیان کی گرفت باہر تھے، لہٰذا آگے کی بات اخلاقیات کی طرف مڑ گئی۔ اور اس قسم کی جامع اخلاقی تلقینات قرآن میں بھی اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اکثر نمایاں ہوتیں، جن کے عملی

---

[1] مثلاً یہ کہنا کہ "وَاللہِ وَحَیَاتِکَ" یعنی اللہ کی اور تیری زندگی کی قسم، شرکِ خفی میں داخل ہے۔ آنحضورؐ سے کسی نے یوں کہا کہ "مَا شَآءَ اللہُ وَشِئْتَ" یعنی جو کچھ اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔ اِس پر حضورؐ نے ٹوک دیا کہ تم مجھے خدا کا شریک بنانا چاہتے ہو؟ راہ احتیاط یہ ہے کہ کہو مَا شَآءَ اللہُ ثُمَّ مَا شِئْتَ۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی مشیت ہو، اور اس کے بعد (مشیت الٰہی کے تحت) آپؐ جو کچھ پسند کریں۔ ایسی مثالیں بہت ہیں۔ عام بے دین اور خوشامدی لوگوں کے لیے تو کوئی حد ہی نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمونے ابوسفیان اور دوسرے مشرکین کے سامنے جلوہ گر ہوتے۔ یہاں نماز کے بعد اخلاقی تلقینات تین ہی رہ جاتی ہیں جنہیں دربارِ ہرقل میں ابوسفیان سوالات کے جوابات دیتے ہوئے پیش کرسکے۔

اوّلاً صدق۔

صدق سے یہاں ابروئے دینِ حق، محض سچ بولنا مراد نہیں، بلکہ سچے اور سُچے انسانوں کی طرح درستی وسچائی کی زندگی گزارنا ہے۔ سچ بولنے والے بھی کم ہوتے ہیں۔ اور جو بولتے ہیں وہ بھی خاص خاص نازک لمحوں پر دم بخود ہوجاتے ہیں، یا پھر آدھا جھوٹ اور آدھا سچ ملاکر بولنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور بعض تو جھوٹ کا میک اَپ سچائی کی طرح کردیتے ہیں۔ اِسی آخری قسم کا موجودہ مہذّب دُنیا میں دَور دورہ ہے۔ لیکن سچائی کی زندگی گزارنا کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ سچائی کے لیے بڑے سے بڑے محاذ چھوڑتے چلے جانا، اپنی صحیح روش اور درست کردار کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کتنے ہی عزیزوں اور بزرگوں کو ناراض کرلینا، کسی غلط بات کی تائید نہ کرکے اور مصلحت کی پروا نہ کرکے تلخیاں اور اذیتیں مول لینا، اپنی بگڑی بات سنوارنے کے لیے اپنے اُصولوں اور رویّوں میں لچک نہ پیدا کرنا یا اُن کی تاویل نہ کرنا، یہ سب سچائی کی زندگی کے لوازم ہیں۔

"صدق" کے معنوں کی وسعت کو سمجھنے کے لیے حسبِ ذیل آیات مدد دیں گی:

قَالَ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

(الاسرا - ۸۰)

حضورؐ نے دُعا کی کہ اے میرے رب مجھے صدق ہی کے راستے سے (دارالہجرت میں) داخل کیجیے اور صدق ہی کے راستے سے (مکہ سے) نکالیے۔ یہاں صدق کے ساتھ راستہ کا لفظ شامل ہے۔ اِس طرح صدق کے معنوں کی وسعت واضح ہوگئی۔ عمومی مفہوم یہ لیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ مجھے چھوڑنا ہو، صدق کی بنیاد پہ چھوڑنا ہو اور جو کچھ قبول کرنا ہو، صدق ہی کی بنا پہ قبول کرنا ہو۔ یعنی کوئی ردّ و قبول کِذب و زُور کی بنیاد پہ نہ ہو۔

۱۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ - ۱۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ - لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۔ (الاحزاب - ۸)

۳ - لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ۔ (الاحزاب - ۲۴)

۴ - وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر - ۸)

۵ - لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

(الاحزاب - ۲۴)

۶ - فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۔ (عنکبوت - ۲)

ان میں سے آیت ۱، ۳، ۵ بتاتی ہیں کہ آخرت میں جزائے حسنہ کا دارومدار صدق (روش صدق) پر ہوگا۔ آیت ۲ بتاتی ہے کہ صادقین سے حساب ہی اُن کے صدق کا پوچھا جائے گا یعنی تمام نیکیاں اسی دائرے میں جمع ہو جاتی ہیں۔ آیت ۴ سے واضح ہوتا ہے کہ صادقین وہ ہیں جو اللہ اور رسول کے کام میں مددگار بنتے ہیں۔ آیت ۶ میں دو قسم کے کردار اور رویے الگ الگ ہو کر سامنے آتے ہیں کہ کھرے لوگ کون سے ہیں اور کھوٹے کون سے - یعنی ایک وہ ہیں جنہوں نے خدا و رسولؐ سے باندھے ہوئے میثاق کو عملاً پورا کر کے اپنے آپ کو سچا ثابت کیا، اور دوسرے وہ جنہوں نے عبدیت کے میثاق کو توڑ کر اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کیا۔

ثانیاً - العفاف

یہ لفظ ہمارے دینی نوشتوں میں اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے کئی اصطلاحیں بن گئی ہیں۔ بروئے لغت اس کی حقیقت یہ ہے کہ عَفَّ (یَعِفُّ) کے معنی ہیں رُک گیا اور باز رہا یا اجتناب کیا ایسے امر سے جو جائز نہیں تھا یا مناسب نہیں تھا۔ اس سے مصدری معنوں میں جو الفاظ آتے ہیں ان میں سے ایک عفاف (عفافاً) ہے۔

قرآن میں اس کے اہم استعمالات ملاحظہ ہوں :-

۱ - وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۔ (النساء - ۶) اور جو شخص محتاج نہ ہو، وہ (اپنے زیرِ نگہداشت مالِ یتیم سے) اجتناب کرے (یعنی اس میں سے کچھ نہ لے)۔

۲ - وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۔ (النور - ۶۰) یہاں ذکر ہے ان بزرگ خواتین کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو حدِ نکاح سے گذر چکی ہوں۔ اُن سے اسی آیت کے پہلے حصّے میں کہا گیا ہے کہ وہ اگر گھروں میں زینت نمائی کے رجحان سے خالی ہو کر اپنی چادریں اُتار کے رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں[1] لیکن اگر وہ اس سے بھی پرہیز کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے۔

۳۔ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ اس آیت میں صدقات کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں زندگیاں وقف کرنے والے ایسے فقرا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جنہیں نادان آدمی محض اس وجہ سے غنی سمجھتے ہیں کہ وہ خودداری کی وجہ سے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ (البقرہ۔ ۲۷۳)

۴۔ فَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ بات واضح ہے کہ جو لوگ نکاح سے بہرہ مند نہ ہو سکیں تو پھر وہ اس وقت تک کے لیے عفت مآبی اختیار کریں جب تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کی ضرورت پوری نہ کر دے۔ (النور۔ ۳۳)

قرآن کے ان استعمالات کو پڑھ کر جہاں یہ معروفِ عام حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمان کو عفت مآبی کی زندگی گذارنی چاہیے، وہاں عفاف کے وسیع مفہوم میں وہ تمام امور بھی شامل ہیں جن کے ناجائز یا نامناسب ہونے کی وجہ سے ان سے اجتناب اور پرہیز کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی عفاف درحقیقت لفظ تقویٰ کی طرح ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ اپنے ایمان اور ذوقِ صدق وصفا اور فریضۂ امانت و دیانت اور اخلاقِ حسنہ کی رو سے جہاں جہاں جن جن چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہو، آدمی اُن سے پرہیز کرے۔

عفاف کی زندگی احتیاط کی زندگی ہے۔

ایک خدا ناآشنا اور مشرکین کی زندگی تھی کہ ہر خواہش آدمی کی ناک میں نکیل کر جدھر چاہتی گھما سکتی تھی۔ (اور آج بھی ایسا ہے)۔ اور ایک حق پسند کے مسلمانوں کی زندگی تھی، جن کا عقیدۂ توحید ہر شائبۂ شرک سے پاک ہوتا اور زندگیوں کا ایک اصول عفاف

[1] واضح رہے کہ قرآن نے اَنۡ یَّضَعۡنَ ثِیَابَہُنَّ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بادی النظر میں یہ غیر موزوں مفہوم نکل سکتا ہے کہ وہ اپنے عام کپڑے الگ کر کے رکھ سکتی ہیں، لیکن سلف سے اب تک کے مفسرین نے بالاتفاق یہاں مراد سروں کی چادروں سے لی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے تمام احوال پر حاوی ہوتا جیسے کہ دوسرے اہم اصول تھے۔

ثالثاً - وَالصِّلَہ!

صِلَہ سے مرادِ عام تو واضح ہے، تعلق جوڑنا - مگر پوری اصطلاح قرآن و حدیث کے منشا کے مطابق صلہ رحمی کی ہے - یعنی اقربا سے رابطے قائم رکھنا، خصوصاً زوجین کے دوطرفہ رشتوں کو جوڑے رکھنا، والدین اور اولاد کے تعلقات کا آپس میں درست طور پر کام کرنا - اور پھر اس سے آگے تمام سماجی اور تمدنی رابطے نبھانا —— جیسے استاد اور شاگرد، آقا اور ملازم، حاکم اور شہری، تاجر اور گاہک، وزیر اور ووٹر، دوست اور پڑوسی، ہم پیشہ اور ہم سفر (وغیرہ)، کے درمیان ہوتے ہیں۔ اِن سب کو اسلام ان کی صحیح شکل میں قائم کرنا چاہتا ہے - ان کی صحیح اور مکمل شکل تو پورے نظامِ اجتماعی کو بدلنے سے بنتی ہے - لیکن جب تک ایسا نہ ہو، کم سے کم درجے کا قابلِ عمل معیار اسلام نے افراد کے سامنے رکھا ہے کہ وہ اسے بہترین اصولوں اور رویوں کی مدد سے قائم رکھیں۔

ہمارے تمام جوڑ میل اور تمام ادارے اور نظام جو ہیئت تہذیب و تمدن کا ایک حصہ ہیں - ان سب کا دار و مدار اسی "صِلَہ" کے اصول پر ہے -

---

امام مسلم و بخاری کی قبول کردہ ایک صحیح روایت (اثر) کا یہ ایک محدود سا رُخ جو بیان ہوا ہے، امید ہے کہ اس پر غور کر کے خاصا استفادہ کیا جا سکتا ہے اور زندگی کو سنوارا جا سکتا ہے[1]

---

[1] ابوسفیان کے اس بیان کا اصولِ حدیث کے تحت وزن یوں بنتا ہے کہ انہیں اپنے دورِ جاہلیت میں ایک واقعہ پیش آیا جس کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور پھر وہ مسلمان ہوئے - ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کے قول کا پایۂ اعتبار بلند ہو گیا - نیز جو باتیں انہوں نے ہرقل سے کہیں، وہ اپنے صحیح ہونے پر خود دال ہیں - تاریخی واقعات کی گواہی بھی اس بیان کے حق میں ہے -

© rasailojaraid.com